نبوت اور خلافت اپنے وقت پر ظہور پذیر ہو جاتی ہیں

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

نبوت اور خلافت اپنے وقت پر ظہور پذیر ہو جاتی ہیں

(تقریر فرمودہ ۲۷؍دسمبر ۱۹۴۵ء بر موقع جلسہ سالانہ بمقام قادیان)

تشہّد ،تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

انسانی زندگی ایک دَور بلکہ چند اَدوار کا نام ہے۔ ایک دَور چل کر ختم ہو جاتا ہے تو ایک اور دَور چل پڑتا ہے۔ وہ ختم ہوتا ہے تو پھر ایک اور دَور ویسا ہی چل پڑتا ہے۔ جیسے رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے اِسی طرح ایک دَور کے بعد دوسرا چلتا چلا جاتا ہے اور الٰہی منشاء اِسی قسم کا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارے دَور ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا اِن اَدوار کے لوگ ایک دوسرے کی نقلیں کر رہے ہیں۔ مؤمنوں کی باتیں ویسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسے پہلے مومنوں کی اور کافروں کی باتیں ویسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسی پہلے کافروں کی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ حیرت کا اظہار فرماتا ہے کہ اَتَوَاصَوۡا بِہٖ ۚ بَلۡ ہُمۡ قَوۡمٌ طَاغُوۡنَ [۱] اِن کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ وہی باتیں کہتے ہیں جو پہلے نبیوں کو ان کے نہ ماننے والوں نے کہیں اور کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں جو نئی ہو اور پہلے انبیاء کو ان کے مخالفوں نے نہ کہی ہو۔ عیسائی اور یہودی مصنّفین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہمیں کیا علم ہے کہ پہلے انبیاء کے دشمنوں نے وہی اعتراض اپنے وقت کے نبیوں پر کئے تھے یا نہیں جو محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر کئے گئے اور ہمارے پاس کیا ثبوت ہے اِس بات کا جو محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہی کہ مجھے یہ الہام ہوا ہے کہ آدم کے دشمنوں نے بھی یہی اعتراض کئے تھے، نوحؑ کے دشمنوں نے بھی یہی اعتراض کئے تھے، ابراہیمؑ کے دشمنوں نے بھی یہی اعتراض کئے تھے۔ یہ کہنا کہ یہ خبریں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف

سے الہام کی گئی ہیں محض باتیں ہی باتیں ہیں اِن میں حقیقت کچھ بھی نہیں ۔ بلکہ یہ قصے آدمؑ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ کے منہ سے کہلوا دیئے گئے ہیں ۔ اگر ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ نہ ملا ہوتا اور کوئی اِس بات کا ثبوت ہم سے مانگتا تو ہمیں مشکل پیش آتی لیکن اِس علم کے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بعینہٖ وہی باتیں کہی گئیں جو جہالت کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے کہی تھیں اور وہی اعتراض آپ پر کئے گئے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمنوں نے آپ پر کئے تھے ۔ اِس سے ہم نے یقین کر لیا اور ہمارے لئے شک کی کوئی گنجائش نہ رہی کہ واقعی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمن وہی باتیں کہتے ہونگے جو حضرت آدمؑ ، حضرت نوحؑ ، حضرت ابراہیمؑ ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے دشمن کہتے تھے ۔ کیونکہ آج ۱۳۰۰ سال کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن آپ پر وہی اعتراض کرتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر آپ کے دشمنوں نے کئے اور ان میں اتنی مطابقت اور مشابہت ہوتی ہے کہ حیرت آتی ہے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن جب آپ پر اعتراض کرتے تو آپ فرماتے یہی اعتراض آج سے ۱۳۰۰ سال پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر آپ کے مخالفین نے کئے تھے ۔ جب وہ باتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے قابلِ اعتراض نہ تھیں بلکہ آپ کی صداقت کی دلیل تھیں تو وہ میرے لئے کیوں قابلِ اعتراض بن گئی ہیں ۔ پس جو جواب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کا دیا وہی جواب میں تمہیں دیتا ہوں ۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جواب میں یہ طریق اختیار فرماتے اور لوگوں پر اِس طریق سے حُجّت قائم کرتے تو مخالفین شور مچاتے کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برابری کرتا ہے حالانکہ یہ صاف بات ہے کہ جو اعتراض ابوجہل کرتا تھا جو شخص ان اعتراضوں کو دُہراتا ہے وہ مثیلِ ابوجہل ہے اور جس شخص پر وہ اعتراض کئے جاتے ہیں وہ مثیلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے ۔ پس ہر زمانہ میں مؤمنوں اور کافروں کی پہلے مؤمنوں اور کافروں سے مشابہت ہوتی چلی آئی ہے لیکن دنیا ہمیشہ اِس بات کو بھول جاتی ہے اور جب کبھی نیا دَور آتا ہے تو نئے سرے سے لوگوں کو یہ سبق دینا پڑتا ہے اور اِس اصول کو دنیا کے سامنے دُہرانا پڑتا ہے اور خدا کی طرف

سے آنے والا لوگوں کے اِس اصول کو بھول جانے کی وجہ سے لوگوں سے گالیاں سنتا ہے اور ذلتیں برداشت کرتا ہے۔ اس کے اپنے اور بیگانے، دوست اور دشمن سب مخالف ہو جاتے ہیں اور قریبی رشتہ دار سب سے بڑے دشمن بن جاتے ہیں۔

حدیثوں میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار پاس کے مکانوں میں نئے آنے والوں کو روکنے کے لئے بیٹھے رہتے تھے اور جب کوئی شخص مسلمانوں کے پاس آتا تو وہ رستہ میں اُسے روک لیتے اور سمجھاتے کہ یہ شخص ہمارے رشتہ داروں میں سے ہے، ہم اس کے قریبی رشتہ دار ہونے کے باوجود اِس کو نہیں مانتے کیونکہ ہم لوگ جانتے ہیں کہ سوائے جھوٹ کے اور کوئی بات نہیں۔ ہم آپ لوگوں سے اِس کو زیادہ جانتے ہیں، ہم سے زیادہ آپ کو واقفیت نہیں ہو سکتی، ہم اِس کے ہر ایک راز سے واقف ہیں بہتر ہے کہ آپ یہیں سے واپس چلے جائیں اِسی میں آپ کا فائدہ ہے۔ یہی حال ہم نے اُن کا دیکھا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ دار تھے۔ اُن کی باتوں کو سن کر جو وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف کیا کرتے اور ان کی حرکات کو دیکھ کر جو وہ باہر سے آنے والوں کو روکنے کے لئے کرتے انسان حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہ ان کی باتوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رشتہ داروں کی باتوں میں کس قدر مشابہت ہے۔

مرزا امام الدین سارا دن اپنے مکان کے سامنے بیٹھے رہتے۔ دن رات بھنگ گھٹا کرتی اور کچھ وظائف بھی ہوتے رہتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ کر انہوں نے پیری مریدی کا سلسلہ شروع کر لیا تھا۔ جب کوئی نیا احمدی باہر سے آتا یا کوئی ایسا آدمی جو احمدی تو نہ ہوتا لیکن تحقیق کے لئے قادیان آتا تو اُس کو بلا کر اپنے پاس بٹھا لیتے اور اُسے سمجھانا شروع کر دیتے۔ میاں! تم کہاں اِس کے دھوکے میں آ گئے یہ تو محض فریب اور دھوکا ہے اگر حق ہوتا تو ہم لوگ جو کہ بہت قریبی رشتہ دار ہیں کیوں پیچھے رہتے۔ ہمارا اور مرزا صاحب کا خون ایک ہے تم خود سوچو بھلا خون بھی کبھی دشمن ہو سکتا ہے؟ اگر ہم لوگ انکار کرتے ہیں تو اس کی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ شخص صحیح راستے سے لوگوں کو پھیرنے والا ہے اور اس نے لوگوں سے پیسے بٹورنے کے لئے یہ دکان کھول رکھی ہے۔ اب حیرت آتی ہے کہ

کونسا ابوجہل آیا جس نے مرزا امام الدین کو یہ باتیں سکھائیں کہ تم باہر سے آنے والوں کو اس طریق سے روکا کرو یہ نسخہ میرا آزمایا ہوا ہے۔ یا پھر یہ ماننا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہی باتیں مسمریزم کے ذریعہ مرزا امام الدین سے کہلوا لیں، دونوں میں سے ایک بات ضرور صحیح ہوگی۔

لدھیانہ کے ایک دوست نور محمد نامی نومُسلم تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بہت محبت و اخلاص رکھتے۔ اُنہوں نے مصلح موعود ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا وہ کہا کرتے تھے کہ بیٹا جب باپ کے پاس جائے تو اسے کچھ نہ کچھ نذر ضرور پیش کرنی چاہیئے۔ اُن کا مطلب یہ تھا کہ میں مصلح موعود ہونے کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بیٹا ہوں اور چونکہ وہ اپنے آپ کو خاص بیٹا سمجھتے تھے انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کم سے کم ایک لاکھ روپیہ تو انہیں ضرور پیش کرنا چاہیئے۔ کہتے ہیں ابھی انہوں نے چالیس پچاس ہزار روپیہ ہی جمع کیا تھا کہ وہ فوت ہوگئے اور نہ معلوم روپیہ کون کھا گیا۔ انہوں نے بہت سے چوہڑے مسلمان کئے اور ان سے کہا کرتے تھے کہ کچھ روپیہ جمع کرو پھر تمہیں دادا پیر کے پاس ملاقات کے لئے لے چلوں گا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان نومسلموں نے کہا کہ پتہ نہیں کہ آپ کب جائیں گے آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم قادیان ہو آئیں۔ اِس پر اُنہوں نے اِن نومُسلموں کو قادیان آنے کی اجازت دے دی۔ وہ قادیان آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سیر کے لئے نکلے تو وہ باہر کھڑے ہوئے تھے۔ غالباً وہ ۹ آدمی تھے اُن میں سے ہر ایک نے ایک ایک اشرفی پیش کی کیونکہ اُن کے پیر نے کہا تھا کہ تم دادا پیر کے پاس جا رہے ہو میں تمہیں اِس شرط پر جانے کی اجازت دیتا ہوں کہ تم دادا پیر کے سامنے سونا پیش کرو۔ چنانچہ انہوں نے ذکر کیا کہ ہمارے پیر نے ہمیں اِس شرط پر آنے کی اجازت دی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک آدمی آپ کی خدمت میں سونا پیش کرے۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ وہ سیر کو چلے گئے۔ جب سیر سے واپس آئے تو چونکہ اُن کو حُقّہ پینے کی عادت تھی اِس لئے وہ حقہ پینے کے لئے مرزا امام الدین کے پاس چلے گئے۔ وہ حقہ پینے کے لئے بیٹھے ہی تھے کہ مرزا امام الدین نے کہنا شروع کیا۔ انسان کو کام وہ کرنا چاہیئے جس سے اُسے کوئی فائدہ ہو تم جو اِتنی دُور سے پیدل سفر

کر کے آئے ہو (کیونکہ اُن کے پیر کا حکم تھا کہ تم چونکہ دادا پیر کے پاس جا رہے ہو اِس لئے پیدل جانا ہوگا) بتاؤ تمہیں یہاں آنے سے کیا فائدہ ہوا؟ ایمان انسان کو عقل بھی دے دیتا ہے بلکہ عقل کو تیز کر دیتا ہے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اُن میں سے ایک نو مُسلم کہنے لگا کہ ہم پڑھے لکھے تو ہیں نہیں اور نہ ہی کوئی علمی جواب جانتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ آپ کو بھلے مانس مرید ملے نہیں اِس لئے آپ چوہڑوں کے پیر بن گئے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ ہمیں کیا ملا؟ آپ مرزا صاحب کی مخالفت کر کے مرزا سے چوہڑے بن گئے اور ہم مرزا صاحب کو مان کر چوہڑوں سے مرزا ہو گئے۔ لوگ ہمیں مرزائی، مرزائی کہتے ہیں یہ کتنا بڑا فائدہ ہے جو ہمیں حاصل ہوا۔ اب دیکھو یہ کیسی مشابہت ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رشتہ داروں کی باتوں میں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ داروں کی باتوں میں۔

مرزا علی شیر صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سالے اور مرزا فضل احمد صاحب کے خسر تھے۔ اُنہیں لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جانے سے روکنے کا بڑا شوق تھا۔ رستہ میں ایک بڑی لمبی تسبیح لے کر بیٹھ جاتے تسبیح کے دانے پھیرتے رہتے اور منہ سے گالیاں دیتے چلے جاتے۔ بڑا لٹیرا ہے لوگوں کو لوٹنے کے لئے دُکان کھول رکھی ہے بہشتی مقبرہ کی سڑک پر دارالضعفاء کے پاس بیٹھے رہتے۔ اُس وقت یہ تمام زمین زیر کاشت ہوتی تھی، عمارت کوئی نہ تھی، بڑی لمبی سفید ڈاڑھی تھی سفید رنگ تھا، تسبیح ہاتھ میں لئے بڑے شاندار آدمی معلوم ہوتے تھے اور مغلیہ خاندان کی پوری یادگار تھے، تسبیح لئے بیٹھے رہتے جو کوئی نیا آدمی آتا اُسے اپنے پاس بُلا کر بٹھا لیتے اور سمجھانا شروع کر دیتے کہ مرزا صاحب سے میری قریبی رشتہ داری ہے آخر مَیں نے کیوں نہ اسے مان لیا؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ مَیں اس کے حالات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ مَیں جانتا ہوں کہ یہ ایک دکان ہے جو لوگوں کو لوٹنے کے لئے کھولی گئی ہے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ باہر سے پانچ بھائی آئے غالباً وہ چک سکندر ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ اب تو لوگ جلسہ کے دَوران میں بھی باہر پھرتے رہتے ہیں لیکن اُن پہلے لوگوں میں اخلاص نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا اور قادیان میں دیکھنے کی کوئی خاص چیز نہ تھی، نہ منارۃ المسیح تھا، نہ

دفاتر تھے، نہ مسجد مبارک کی ترقیاں ایمان پرور تھیں، نہ مسجد اقصیٰ کی وُسعت اِس قدر جاذب تھی، نہ محلوں میں یہ رونق تھی، نہ کالج تھا نہ سکول تھے۔ اُن دنوں لوگ اپنے اخلاص سے خود ہی قابلِ زیارت جگہ بنا لیا کرتے تھے۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد صاحب کا باغ ہے اسے دیکھو اور یہ حضرت صاحب کے لنگر کا باورچی ہے اِس سے ملو اور اِس سے باتیں پوچھو اُن کا ایمان اِسی سے بڑھ جاتا تھا اُن دنوں ابھی بہشتی مقبرہ بھی نہ بنا تھا صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کا لگایا ہوا باغ تھا۔ لوگ وہاں برکت حاصل کرنے کیلئے جاتے اور علی شیر صاحب رستہ میں بیٹھے ہوئے ہوتے۔ وہ پانچوں بھائی بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا باغ دیکھنے کے لئے گئے تو اُن میں سے ایک جو زیادہ جوشیلا تھا وہ کوئی دو سَو گز آگے تھا اور باقی آہستہ آہستہ پیچھے آ رہے تھے۔ علی شیر نے اُسے دیکھ کر کہ یہ باہر سے آیا ہے اپنے پاس بُلا لیا اور پوچھا کہ مرزا کو ملنے آئے ہو؟ اُس نے کہا ہاں مرزا صاحب کو ہی ملنے آیا ہوں۔ علی شیر نے اُس سے کہا ذرا بیٹھ جاؤ اور پھر اُسے سمجھانا شروع کیا کہ میں مرزا کے قریبی رشتہ داروں میں سے ہوں میں اِس کے حالات سے خوب واقف ہوں، اصل میں آمدنی کم تھی بھائی نے جائداد سے بھی محروم کر دیا اس لئے یہ دُکان کھول لی ہے۔ آپ لوگوں کے پاس کتابیں اور اشتہار پہنچ جاتے ہیں آپ سمجھتے ہیں کہ پتہ نہیں کتنا بڑا بزرگ ہوگا پتہ تو ہم کو ہے جو دن رات اس کے پاس رہتے ہیں۔ یہ باتیں میں نے آپ کی خیر خواہی کے لئے آپ کو بتائیں ہیں۔ چک سکندر سے آنے والے دوست نے بڑے جوش کے ساتھ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ علی شیر صاحب سمجھے کہ شکار میرے ہاتھ آ گیا ہے۔ اُس دوست نے علی شیر صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا اور پکڑ کر بیٹھ گیا۔ گویا اِسے اُن سے بڑی عقیدت ہوگئی ہے۔ علی شیر صاحب دل میں سمجھے کہ ایک تو میرے قابو میں آ گیا ہے۔ اِس دوست نے اپنے باقی بھائیوں کو آواز دی کہ جلدی آؤ جلدی آؤ۔ اب تو مرزا علی شیر پھولے نہ سمائے کہ اِس کے کچھ اور ساتھی بھی ہیں وہ بھی میرا شکار ہو جائیں گے اور مَیں ان کو بھی اپنا گرویدہ بنا لوں گا۔ اس دوست کے باقی ساتھی دَوڑ کر آ گئے تو اس نے کہا۔ مَیں نے تمہیں اس لئے جلدی بلایا ہے کہ ہم قرآن کریم اور حدیث میں شیطان کے متعلق پڑھا کرتے تھے مگر شکل نہیں دیکھی تھی آج اللہ تعالیٰ نے اُس کی شکل بھی دکھا

دی ہے تم بھی غور سے دیکھ لو یہ شیطان بیٹھا ہے۔ مرزا علی شیر غصہ سے ہاتھ واپس کھینچتے لیکن وہ نہ چھوڑتا تھا اور اپنے بھائیوں سے کہتا جاتا تھا دیکھ لو اچھی طرح دیکھ لو شاید پھر دیکھنا نہ ملے یہ شیطان ہے۔ پھر اس نے اپنے بھائیوں کو سارا قصہ سنایا۔

اب دیکھو کس طرح ایک قوم دوسری قوم کے قدم بقدم چلتی ہے۔ ہم نے خود دیکھ لیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن تیرہ سَو سال کے بعد وہی اعتراض کرتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کئے گئے بلکہ وہی اعتراض کئے جاتے ہیں جو حضرت نوحؑ پر آپ کے دشمنوں نے کئے یا جو اعتراض حضرت ابراہیمؑ پر آپ کے دشمنوں نے کئے، یا جو اعتراض حضرت موسیٰؑ کے دشمنوں نے آپ پر کئے، یا جو اعتراض حضرت عیسیٰؑ پر آپ کے دشمنوں نے کئے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ سچ کا مقابلہ سوائے جھوٹ اور فریب کے کیا ہی نہیں جا سکتا۔ سچ ہر زمانہ میں سچ ہے اور جھوٹ ہر زمانہ میں جھوٹ ہے۔ سچ کے مقابلہ میں سوائے جھوٹ اور فریب کے آ ہی کیا سکتا ہے۔ اگر کوئی چیز دشمنوں کے پاس سوائے جھوٹ کے ہو تو نکلے۔

ہمارے ہاں مثل مشہور ہے کہ کسی میراثی کے گھر میں رات کے وقت چور آیا یہ سمجھ کر کہ آخر دس بیس پچاس روپے تو اُس کے ہاں ضرور ہونگے اور نہیں تو کوئی کپڑا ہی سہی۔ چور کونسا لاکھ پتی ہوتا ہے کہ ضرور لاکھوں والی جگہ ہی چوری کرے۔ اگر اُسے ایک روپیہ بھی مل جائے تو وہ اُسے ہی غنیمت سمجھتا ہے۔ وہ بھی یہی سمجھتا کہ آخر کوئی نہ کوئی ہدیہ ہی میراثی کو ججمانوں [۲] کے ہاں سے ملا ہوگا وہی سہی۔ پُرانے زمانے میں یہ دستور تھا کہ جس کے پاس کوئی نقدی یا زیور ہوتا وہ اُسے کسی برتن میں ڈال کر زمین میں دفن کر دیتا تھا اور چوروں نے اُسے نکالنے کا یہ طریق نکالا تھا کہ وہ لاٹھی لے کر گھر کی زمین کو ٹھکور ٹھکور کر دیکھتے جہاں انہیں نرم نرم زمین معلوم ہوتی وہاں سے کھود کر نقدی یا زیور نکال لیتے تھے۔ یہی طریق اُس چور نے اختیار کیا اور لاٹھی لے کر گھر کی زمین کو ٹھکور ٹھکور کر دیکھنے لگا۔ اِسی اثناء میں میراثی کی آنکھ کھل گئی اور اُسے چور کی یہ حرکت دیکھ کر ہنسی آنے لگی کہ ہمیں تو کھانے کو نہیں ملتا اور یہ سوٹیاں مار مار کر خزانہ تلاش کر رہا ہے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اُس نے ہنس کر چور سے کہا۔ ''ججمان! سانوں ایتھے دن نوں کچھ نہیں لبھدا۔ تہانوں راتیں کی لبھنا ہے''۔ یعنی ہمیں یہاں دن کو کوئی چیز نہیں ملتی آپ کو رات کے

وقت یہاں کیا ملے گا۔ یہی حالت مخالفین کی ہے سچ کے مقابلہ میں سوائے جھوٹ کے کوئی اور چیز ہوتو وہ پیش کریں اور سچ کے مقابلہ میں سچ کہاں سے لائیں۔

مقابلہ کے دو ہی طریق ہیں ایک تو یہ کہ خدا تعالیٰ کا بندہ جب کہتا ہے کہ میں نشان دکھاتا ہوں تو دشمن بھی کہیں کہ ہم بھی ویسا ہی نشان دکھاتے ہیں لیکن چونکہ وہ اس بات پر قادر نہیں ہوتے اس لئے نشان کے مقابل پر نشان دکھانے کے لئے سامنے نہیں آتے۔ ہاں دوسرا طریق یہ ہے کہ آئیں بائیں شائیں کرتے اور خوب شور وشغب پیدا کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم خوب مقابلہ کر رہے ہیں اور یہی طریق ہمیشہ انبیاء اور خدا تعالیٰ کے دوسرے خادموں کے دشمن اختیار کیا کرتے ہیں۔

جب سے میں نے مصلح موعود ہونے کا اعلان کیا ہے مولوی محمد علی صاحب نے ویسے ہی اعتراض کرنے شروع کر دیئے ہیں جیسے مولوی ثناء اللہ صاحب کیا کرتے تھے۔ میں خواب یا الہام سناتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے اعلام کی بناء پر اعلان کرتا ہوں لیکن مولوی محمد علی صاحب نہ تو مقابل پر کوئی خواب یا الہام پیش کرتے ہیں اور نہ ہی وہ پیش کر سکتے ہیں کیونکہ وہ سارا زور لگا کر تیس سالہ پُرانا ایک الہام پیش کر سکے ہیں مگر وہ بھی واقعات کے رو سے غلط نکلا ہے۔ پس جب الہام ہوا ہی نہیں تو وہ الہام پیش کیسے کریں۔ اب سوائے اعتراضوں کے ان کے پاس کوئی چیز نہیں اگر وہ اعتراض بھی نہ کریں تو مقابلہ کس طرح کریں۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ کے دشمن اِس بات کا تو انکار نہیں کر سکتے تھے کہ الہام ہوتا ہی نہیں کیونکہ ان سے پہلے انبیاء کو الہام ہوتا تھا اور وہ اس بات کے قائل تھے اِس لئے ان انبیاء کا انکار کرنے والے اس بات کا انکار نہ کر سکتے تھے کہ الہام کوئی چیز نہیں۔ اپنی بات کو درست ثابت کرنے کیلئے اور ان انبیاء کا مقابلہ کرنے کیلئے یہ کہتے تھے کہ ان کے الہام خود ساختہ ہیں۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمنوں نے بھی یہی کہا کہ ان کے الہام خود ساختہ ہیں۔ اگر عیسائیوں اور یہودیوں کا یہ قول درست تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وحی **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ** خود ساختہ تھی اللہ تعالیٰ کی غیرت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقابل پر الہام کر دیتا تا مفتریوں کی قلعی کھل جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ان کو الہام سے محروم رکھنا

بتا تا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی حق پر تھے اور آپ کے دشمن یہودی اور عیسائی ناحق پر تھے۔ اسی طرح آج مولوی محمد علی صاحب یہ کہتے ہیں کہ میرے الہام جھوٹے ہیں لیکن کیوں اللہ تعالیٰ ان کو میرے مقابل پر سچے الہام نہیں کر دیتا، تا دنیا پر واضح ہو جائے کہ مولوی صاحب حق پر ہیں اور مَیں ناحق پر ہوں۔

حیرت کی بات ہے کہ ایک شخص دن رات اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو گمراہ کرے اور دن رات اُس کے بندوں کو فریب اور دغا بازی سے غلط راستہ کی طرف لے جائے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کو غیرت نہ آئے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو غیرت نہیں آتی تو اِس کی وجہ سوائے اِس کے یقیناً اور کوئی نہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ مولوی صاحب اِس کے قرب سے بہت دُور ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو الہام نہیں کیا۔ پس سچائی کے مقابلے میں ابتداء سے انکار ہوتا رہا ہے یہ سلسلہ ابتداء سے چلتا آیا ہے اور چلتا چلا جائے گا۔

یہ ایک بالکل واضح بات ہے کہ نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے لیکن لوگ پھر بھی اس طریق کو بھول جاتے ہیں۔ وقت سے پہلے وہ ان باتوں کو اپنی مجالس میں دُہراتے اور ان کا اقرار کرتے ہیں لیکن عین موقع پر اِن کا صاف انکار کر دیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب فوت ہوئے تو حضرت خلیفہ اوّل کو اس قدر صدمہ ہوا کہ شدتِ غم کی وجہ سے آپ کے منہ سے بات تک نہیں نکلتی تھی اور ضعف اس قدر تھا کہ کبھی کمر پر ہاتھ رکھتے اور کبھی ماتھے پر ہاتھ رکھتے اسی حالت میں مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی نے حضرت خلیفہ اوّل کا ہاتھ پکڑ کر کہا اَنْتَ الصِّدِّیْقُ اور بعض اور فقرات بھی کہے جن کا مفہوم یہ تھا کہ خلافت اسلام کی سنت ہے لیکن بعد میں مولوی سید محمد احسن صاحب اِس بات پر قائم نہ رہے اور اُنہوں نے خلافت سے منہ پھیر لیا۔ مولوی محمد علی صاحب یا ان کے رفقاء نے ان کے بچوں کو آٹے کی مشین لگوا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ پس اِس بات پر لڑکے اور بیوی پیغامیوں کا ساتھ دیتے رہے اور مولوی صاحب کو بھی مجبور کرتے رہے کہ وہ لاہوریوں کا ساتھ دیں۔ جب وہ ابتلاء کے کچھ عرصہ بعد قادیان میں مجھ سے ملنے کے لئے آئے تو صاف کہا کہ میں مجبور ہوں فالج نے قویٰ مار دیئے ہیں میں طہارت تک خود نہیں کر سکتا ان لوگوں کو وعدہ دے کر لاہوریوں نے بگاڑ رکھا ہے اور میں ان

کے ساتھ رہنے پر مجبور ہوں۔ انہوں نے یہاں تک کہا کہ اگر یعقوب اور اُس کی والدہ کو سنبھال لیا جائے تو میں بھی رہ سکوں گا مگر چونکہ میں اِس قسم کی رشوت دینے کا عادی نہیں مَیں نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ مجھے اکثر ایسے لوگوں کی حالت پر حیرت آتی ہے کہ ذرا ان کو سلسلہ سے کوئی شکایت پیدا ہو تو اُنہیں خلافت کے مسئلہ میں بھی شک پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

گجرات کے دوستوں نے سنایا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہوئے تو ایک اہل حدیث مولوی نے ہمیں کہا اب تم لوگ قابو آئے ہو کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر نبوت کے بعد خلافت ہے[۳] اور تم میں خلافت نہیں ہوگی تم لوگ انگریزی دان ہو اس لئے خلافت کی طرف تم نہیں جاؤ گے۔ وہ دوست بتاتے ہیں کہ دوسرے دن تار موصول ہوئی کہ جماعت نے حضرت مولوی نورالدین صاحب کی بیعت کر لی ہے اور ان کو اپنا خلیفہ بنا لیا ہے۔ جب احمدیوں نے اُس مولوی کو بتایا تو کہنے لگا نورالدین بڑا پڑھا لکھا آدمی تھا اِس لئے اُس نے جماعت میں خلافت قائم کر دی اگر اس کے بعد خلافت رہی تو پھر دیکھیں گے۔ جب حضرت خلیفہ اوّل فوت ہوئے تو کہنے لگا اُس وقت اور بات تھی اب کوئی خلیفہ بنے گا تو دیکھیں گے۔ دوست بتاتے ہیں کہ اگلے دن تار پہنچ گئی کہ جماعت نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ اِس پر کہنے لگا یار و تم بڑے عجیب ہو، تمہارا کوئی پتہ نہیں لگتا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کفر ہمیشہ سے ایک ہی راستے پر چل رہا ہے اور اِس سے پیار کرنے والے ہر نبی کے زمانہ میں وہی طریق اختیار کرتے ہیں جو پہلے انبیاء کے زمانہ میں اختیار کیا گیا۔ اسی طرح ہدایت کا بھی ایک بنا بنایا راستہ ہے جو ابتداء سے آج تک بغیر تغیر و تبدل کے چلا آ رہا ہے اور ہر آنے والا اسی راستہ پر چلتا ہے لیکن لوگ اس بنے ہوئے رستہ کی طرف توجہ نہیں کرتے اور خود تراشیدہ قوانین کی پیروی کرتے ہیں۔ کوئی مُسلم لیگ بناتا ہے، کوئی زمیندارہ لیگ بناتا ہے، کوئی سیاسی انجمنیں بناتا ہے، کوئی اقتصادی انجمنیں بناتا ہے، کوئی مذہبی مجالس قائم کرتا ہے اور اسے دین کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے کافی سمجھتے ہیں حالانکہ دُنیوی ضرورتیں تو سمجھو کہ ان سے پوری ہوسکتی ہیں دینی ضرورتیں کب ان طریقوں سے پوری ہوسکتی ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو تو اپنے دین کا فکر نہیں صرف اِن لوگوں کو فکر ہے۔ اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کی جماعت

ہیں تو اُسے اِن کا فکر ضرور ہوگا، اگر اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے تو ممکن نہیں کہ وہ اِس کی نگرانی سے غافل ہو، اگر قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری کتاب ہے جو لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجی گئی تو ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اِس کی حفاظت کا کوئی سامان نہ کیا ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دادا کے زمانے میں یمن کا علاقہ حبشہ کے ماتحت تھا اور چونکہ حبشہ ایک عیسائی مُلک تھا اِس لئے یمن کا گورنر بھی عیسائی ہوا کرتا تھا۔ عبدالمطلب کے زمانہ میں یمن کے والی کا نام ابرہہ تھا۔ یہ شخص کعبہ سے سخت دشمنی رکھتا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح عرب کے لوگوں کو کعبہ سے پھیر دے۔ چنانچہ اس نے کعبہ کے مقابلہ پر یمن میں ایک معبد تیار کیا اور لوگوں میں تحریک کی کہ وہ بجائے کعبہ کے اس عبادت گاہ کے حج کے لئے آیا کریں۔ عرب کی فطرت بھلا کب اِس بات کو برداشت کر سکتی تھی۔ ایک عرب نے غصہ سے جوش میں آکر اس معبد میں پاخانہ پھر دیا۔ ابرہہ کو اِس بات کا علم ہوا تو اُس نے غصہ میں آکر ارادہ کیا کہ مکہ پر فوج کشی کر کے کعبہ کو مسمار کر دے۔ چنانچہ وہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ یمن سے نکلا اور مکہ کے قریب پہنچ کر شہر کے سامنے اپنی فوجیں ڈال دیں۔ جب قریش کو اِس کا علم ہوا تو وہ سخت خوف زدہ ہوئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہم اس کے مقابلے کی تاب نہیں رکھتے۔ چنانچہ اُنہوں نے عبدالمطلب کو ابرہہ کے پاس بطور وفد کے روانہ کیا۔ وہ ابرہہ کے پاس گئے ابرہہ ان کی باتوں اور ان کی نجابت سے بہت خوش ہوا اور ان سے بڑی عزت کے ساتھ پیش آیا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ ان سے پوچھو مَیں اِن کو کیا انعام دوں؟ عبدالمطلب نے کہا کہ آپ کی فوج نے میرے دوسَو اونٹ پکڑ لئے ہیں وہ مجھے دِلوا دیئے جائیں۔ اُس نے اونٹ تو واپس دِلوا دیئے مگر منہ بنا کر کہا میں تمہارے کعبہ کو مسمار کرنے کے لئے آیا ہوں تم نے اِس کی فکر نہ کی اور جھوٹے منہ بھی تم نے مجھے یہ نہ کہا کہ کعبہ کو نہ گرایا جائے اور تمہیں اپنے دوسَو اونٹوں کی فکر لگ گئی۔ عبدالمطلب نے جواب میں کہا۔ مَیں تو صرف اونٹوں کا ربّ اور مالک ہوں مگر اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ خود اِس کی حفاظت کرے گا۔ اگر مجھے اپنے اونٹوں کی فکر ہے تو کیا اُسے اپنے اِس گھر کی فکر نہیں؟[۶] اسی طرح میں کہتا ہوں اگر واقعہ میں اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور اگر قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے تو اللہ تعالیٰ نے یقیناً اِس کی حفاظت اور اِس کی بہتری کے

لئے کوئی نہ کوئی سبیل پیدا کی ہوگی اور اُسے بندوں کے سہارے نہیں چھوڑا ہوگا۔ وہ بہتری کی سبیل اور حقیقی اسلام کا رستہ آج احمدیت ہے۔ لیکن اگر احمدیت بُری چیز ہے تو اللہ تعالیٰ کا فرض ہے کہ وہ اپنی غیرت دکھائے کیونکہ مخالفین کے نزدیک نَعُوْذُ بِاللّٰہِ احمدیت اُس کے دین میں رخنہ اندازی کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے۔ جیسے فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝ مگر مولوی کہتے ہیں کہ قرآن کریم تو خدا نے بھیج دیا مگر اِس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے اور مسلمانوں کے لیڈر اِس غرض کے لئے لیگیں، انجمنیں اور ایسوسی ایشنیں بناتے ہیں۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ میں یہ طاقت نہیں کہ وہ قرآن کریم کی حفاظت کر سکے۔ دنیا میں یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز دنیا میں موجود ہے وہ اپنے وجود کا خود پتہ دیتی ہے اور جو چیزیں موجود ہیں ان میں سے جو چیز طاقتور ہوگی وہ دوسری چیزوں پر غالب آ جائے گی۔ جب وہ غالب آنے لگتی ہے تو دنیا بھی اس کا مقابلہ نہیں کرتی اور جو شخص کسی کام کا اہل یا کسی بوجھ کو اُٹھانے والا ہوتا ہے وہ خود بخود ہی میدانِ عمل میں آ جاتا ہے۔ پہلے مسلمانوں کے لیڈر اور مسلمانوں کے نمائندہ سر میاں فضل حسین صاحب رہے اُس وقت مسٹر جناح کے خیالات کانگرسی تھے اور کانگرس کی تائید میں تھے اور مُسلم لیگ کا دائرہ اُس وقت اتنا وسیع نہ تھا جتنا اب ہے۔ کچھ عرصہ کانگرس میں کام کرنے کے بعد مسٹر جناح مُسلم لیگ میں آ گئے اور آہستہ آہستہ اپنی قابلیت منواتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ تمام مسلمان لیڈر اُن کے پیچھے لگ گئے اور وہ مُسلم لیگ کے صدر بن گئے۔ یہی حال انگریزی قوم کا ہے تمام قوم پچیس سال تک مسٹر چرچل کو دھتکارتی رہی کہ یہ لڑاکا ہے۔ فساد کرتا ہے لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو کیا لیبر اور کیا یونینسٹ اور کیا کنزرویٹو نے مسٹر چرچل کو اِس کام کیلئے منتخب کیا۔ تو جو شخص کسی کام کا اہل ہوتا ہے وہ آپ ہی آپ دوسروں پر چھا جاتا ہے۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے بھی انسانوں کی حفاظت ضرورت نہ تھی بلکہ جس کے سپرد یہ کام تھا وہ خود ہی آگے آ جانا چاہئے تھا۔ جب کسی چیز کے اُگنے کا موسم آ جائے اور وہ وقت پر اُگ آئے تو ہم سمجھیں گے کہ اُس کا بیج زمین میں موجود تھا لیکن اگر باوجود موسم کے آ جانے کے زمین سے کوئی چیز نہ اُگے ہم تو کہیں گے کہ اس میں کسی چیز کا بیج موجود نہ تھا اس لئے اس سے کوئی چیز نہیں اُگی

اور اب اس میں بیج باہر سے ڈالا جائے گا۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کی خستہ حالی کے وقت مسلمان خود مل کر اس کا علاج کر لیتے تو ہم سمجھ سکتے تھے کہ اب خدا کی طرف سے کسی کے آنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر اپنی تمام کوششوں کے باوجود مسلمانوں پر خستہ حالی اور اسلام پر ادبار کے بادل چھائے رہیں تو ماننا پڑے گا کہ اب اس کا علاج کرنے والا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی آئے گا کیونکہ مسلمان خود اس قابل نہیں رہے کہ وہ اسلام کو دوبارہ باقی ادیان پر غالب کر دیں۔ کیا مسٹر جناح دنیا کے سارے مسلمانوں کے نگران ہو سکتے ہیں؟ اور کیا مسٹر جناح اسلامی دنیا کے تمام نقائص اور خرابیوں کو دور کر سکتے ہیں؟ کیا مسٹر جناح یا کوئی مسلمان نمائندہ آج پھر ایمان کو اُسی پہلی حالت میں قائم کر سکتا ہے جو حالت کہ قرونِ اُولیٰ کی تھی؟ ہر انسان جو سوچ اور عقل سے جواب دے گا وہ یہی جواب دے گا کہ مسٹر جناح ہندوستان کے سیاسی لیڈر ہیں دنیا بھر کے مذہبی لیڈر نہیں ہیں۔ یہ کام سوائے ایسے شخص کے نہیں ہوسکتا جو مُؤَیَّد مِنَ اللّٰہِ ہو اور جسے اللہ تعالیٰ خود مقرر کرے اور وہ تمام مسلمانوں کا نگران ہو۔ مسلمانوں کے ہر مرض کا علاج کرنے والا اور مسلمانوں کی ہر تکلیف کا مداوا ہو، جو اسلام کو اَدیانِ باطلہ پر غالب کرنے والا ہو۔ آج ایسے ہی شخص کی ضرورت ہے۔ پس جس طرح ہر چیز اپنے موسم میں پیدا ہو جاتی ہے اِسی طرح نبوت اور خلافت بھی اپنے وقت پر پیدا ہو جاتی ہیں اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی سنت کے خلاف ہے کہ ایک چیز کی اشد ضرورت محسوس کی جائے۔ اُس کا موسم آ جائے، لوگ اس کے لئے بے تاب ہوں لیکن اپنی طرف سے وہ چیز عطا نہ کرے۔ بلکہ حقیقت یہی ہے کہ جس طرح دوسری چیزیں اپنے اپنے موسم میں پیدا ہوتی ہیں اِسی طرح نبوت اور خلافت بھی اپنے اپنے وقت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کر دی جاتی ہیں تا اِن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے بندے اُس کی قرب کی راہوں پر چلیں اور اُن تمام باتوں سے بچیں جو کہ اُس سے دور لے جاتی ہیں۔ اور خلافت قوم میں چلتی چلی جاتی ہے جب تک قوم درست رہتی ہے لیکن جب قوم کے افراد میں غداری اور دغابازی کی رُوح پیدا ہو جاتی ہے تو خلافت بھی مٹ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اُن سے یہ نعمت چھین لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ قوم کی حالت کو دیکھ کر خلیفہ مقرر کرتا ہے۔ اگر قوم کے حالات درست ہوں تو خلافت دے دیتا ہے اور اگر درست نہ ہوں تو یہ انعام واپس لے لیتا ہے۔ لوگ

سمجھتے ہیں کہ یہ شرعی مسئلہ ہے اور یہ ایک لحاظ سے ہے بھی لیکن اِسی حد تک کہ بندے اُس کو خلیفہ مقرر کریں۔ مگر خلافت کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک حصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اُس کو خلیفہ بناتا ہے اور ایک یہ ہے کہ بندے اُس کا انتخاب کرتے ہیں۔ جہاں تک بندوں کے انتخاب کا سوال ہے وہ ہو جائے گا لیکن جو حصہ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر بندے خلیفہ چننے کے لئے اُن قوانین کی پابندی کریں گے جو خدا تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں تو وہ خلافت کامیاب ہوگی لیکن اگر نہیں کریں گے تو اگرچہ وہ خلیفہ تو بنا لیں گے لیکن کامیاب نہیں ہونگے۔ یا پھر اُس خلیفہ کی حیثیت عیسائیوں کے پوپ کی طرح ہو جائے گی جس سے قوم کوئی حقیقی فائدہ نہیں اُٹھا سکے گی۔ مگر باوجود اِس کے ہر نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے۔

دنیا ان باتوں کو ہمیشہ بھول جاتی ہے حالانکہ یہ بات ہمیشہ اور بار بار ہوتی ہے۔ یہی چیزیں ہماری جماعت میں ہوتی ہیں اور آئندہ بھی ہونگی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے اور اُسی رنگ میں آئے جس رنگ میں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور دوسرے انبیاء مبعوث ہوئے تھے اور آپ کے بعد بھی اُسی رنگ میں سلسلہ خلافت شروع ہوا۔ جس طرح پہلے انبیاء کے بعد خلافت کا سلسلہ قائم ہوا۔ اگر ہم عقل کے ساتھ دیکھیں اور اِس کی حقیقت کو پہنچاننے کی کوشش کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ ایک عظیم الشان سلسلہ ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں اگر دس ہزار نسلیں بھی اِس کے قیام کے لئے قربان کر دی جائیں تو کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ میں دوسروں کے متعلق تو نہیں جانتا مگر کم از کم اپنے متعلق جانتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی تاریخ پڑھنے کے بعد جب میں حضرت عثمانؓ پر پڑی ہوئی مصیبتوں پر نظر کرتا ہوں اور دوسری طرف اُس نور اور روحانیت کو دیکھتا ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آ کر ان میں پیدا کی تھی تو مَیں کہتا ہوں اگر دنیا میں میری دس ہزار نسلیں پیدا ہونے والی ہوتیں اور وہ ساری کی ساری ایک ساعت میں جمع کر کے قربان کر دی جاتیں تا وہ فتنہ ٹل سکتا تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ جوں دے کر ہاتھی خریدنے کے سَودے سے بھی زیادہ سَستا سَودا ہوتا۔ درحقیقت ہمیں کسی چیز کی قیمت کا پتہ پیچھے لگتا ہے۔

اب میں یہ دیکھ کر حیران ہوتا ہوں کہ دین کی کوئی قیمت ہی نہیں رہی۔ دین کی قیمت تو

الگ رہی ہم دنیاوی حیثیت دیکھتے ہیں تو وہ بھی نہیں رہی۔ کجا وہ وقت تھا کہ ایک مسلمان خواہ کسی جگہ پر چلا جاتا) چاہے وہ چوڑھا ہوتا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی اُس کی طرف انگلی نہ اُٹھا سکتا۔ چین کا بادشاہ جس کی بادشاہت اس زمانہ کے لحاظ سے بہت بڑی بادشاہت تھی اُس کو بھی حوصلہ نہیں تھا کہ ایک چوڑھے مسلمان کی طرف اُنگلی اُٹھا سکے اس لئے کہ سارا عالم اسلامی اس کی پشت پر تھا۔ آخری زمانہ میں مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ خلافتِ بغداد بالکل تباہ ہو کر ریاستوں کی شکل اختیار کر چکی تھی لیکن نام باقی تھا۔ کہتے ہیں کہ ہاتھی مرا ہوا بھی بھاری ہوتا ہے۔ خلافت تو تھی گو چند گاؤں بھی ان کے قبضہ میں نہ رہے تھے صرف بغداد تھا باقی سب جگہ دوسری بادشاہتیں قائم ہوگئی تھیں۔ وہ بادشاہ مطلق العنان ہونے کے باوجود بھی خلافت کا احترام کرتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ ہم تو غائب بادشاہ ہیں، اصل بادشاہ خلیفہ ہے۔ یوں وہ اپنا قانون چلاتے تھے، اپنی فوجیں رکھتے تھے، خود ہی لڑائیاں لڑتے تھے، خود ہی فیصلہ کرتے تھے، خود ہی معاملات طے کرتے تھے اور خلیفہ کو پوچھتے تک بھی نہ تھے مگر اِس نام کی بھی برکت تھی۔ اُس زمانہ میں مسلمانوں کے ایک علاقہ میں سے جب کہ مسلمان کمزور ہو چکے تھے یورپین فوجیں گزریں اور اُنہوں نے کسی مسلمان عورت کو چھیڑا (اُس بیچاری کو کچھ پتہ نہ تھا کہ خلافت ٹوٹ چکی ہے اور تقسیم ہو کر مختلف حصوں میں بٹ چکی ہے وہ یہی سنتی آ رہی تھی کہ ابھی تک یہاں خلیفہ کی حکومت ہے) اُس نے اِسی خیال کے ماتحت خلیفہ کو پکار کر بآوازِ بلند یَالَلْخَلِیْفَةَ کہا۔ یعنی اے خلیفہ! میں مدد کے لئے تمہیں آواز دیتی ہوں۔ اُس وقت وہاں سے ایک قافلہ گزر رہا تھا اُس نے یہ باتیں سنیں۔ وہ قافلہ بغداد کی طرف جا رہا تھا۔ پُرانے زمانہ میں رواج تھا کہ جب قافلہ شہر میں آتا تو قافلہ کی آمد کی خبر سن کر لوگ شہر کے باہر قافلہ کے استقبال کے لئے جاتے۔ تاجر لوگ بھی اُس وقت وہاں پہنچ جاتے اور آجکل کی بلیک مارکیٹ کی طرح وہیں مال خریدنے کی کوشش کرتے کیونکہ جو مال باہر سے آتا تھا وہ سفر کی مشکلات کی وجہ سے بہت کم آتا تھا اِس لئے ہر ایک تاجر یہی کوشش کرتا کہ وہیں جا کر سَودا کرے اور اُسے دوسروں سے پہلے حاصل کرے۔ جب وہ قافلہ آیا اور شہری اُس کے استقبال کے لئے شہر سے باہر گئے اور اُسے ملے تو اہلِ شہر نے اُن سے سفر کے حالات پوچھنے شروع کئے اور کہا کہ کوئی نئی بات سناؤ۔ اُنہوں نے کہا سفر ہر طرح

آرام سے کٹ گیا مگر ہم نے راستہ میں ایک عجیب تمسخر سنا۔ ایک عورت خلیفہ کو آوازیں دے رہی تھی اور مدد کے لئے بُلا رہی تھی۔ اُس بے چاری کو کیا پتہ کہ اِس جگہ اب اُس کی حکومت ہی نہیں۔ یہ باتیں سننے والوں میں سے ایک درباری بھی تھا وہ دربار میں آیا اور بادشاہ سے اِس کا ذکر کیا اُس نے کہا آج ایک عجیب بات ہوئی ہے ایک قافلہ فلاں جگہ سے آیا اور اُس نے سنایا کہ ایک عورت خلیفہ کو پکارتی تھی۔ اگرچہ بادشاہت تو اُس وقت تباہ ہو چکی تھی اور خلافت مٹ چکی تھی مگر معلوم ہوتا ہے ابھی اسلامی ایمان کی کوئی چنگاری باقی تھی۔ خلیفہ میں کوئی طاقت نہ تھی وہ جانتا تھا کہ میں اکیلا ہوں لیکن جب اُس نے یہ بات سنی تو تخت سے اُتر آیا اور ننگے پاؤں چلا اور کہا کہ گو اب خلیفہ کا وہ اقتدار نہیں رہا مگر بہر حال اُس نے خلافت کو آواز دی ہے اب میرا فرض ہے کہ میں اُس کے پاس جاؤں اور اُس کی مدد کروں۔ یہ بات ایسی ہے کہ آج یہاں بیٹھے ہوئے ہمارا خون کھول جاتا ہے اُس زمانہ میں کیوں نہ کھولا ہوگا۔ جونہی یہ بات دوسرے بادشاہوں نے سنی اُنہوں نے خلیفہ کو یہ اطلاع بھیجی کہ ہم مدد دیں گے آپ اُس عورت کو آزاد کرائیں اور اُن سے اِس کا بدلہ لیں۔ چنانچہ وہ گئے اور اُنہوں نے اُس عورت کو آزاد کرایا اور عیسائیوں سے اُس کا بدلہ لیا۔

لیکن آج بڑی بڑی مسلمان شخصیتوں کا سوال ہی نہیں رہا اب تو بڑی بڑی مسلمان حکومتیں بھی ریاستوں سے بالا نہیں۔ سب سے بڑی حکومت مسلمانوں کی اِس وقت ترکی کی حکومت ہے مگر اِس کی حالت یہ ہے کہ جب روس کوئی بات کرتا ہے تو وہ کھسیانہ ہو کر کبھی انگریزوں اور کبھی امریکہ کی طرف دیکھتا ہے اور دیکھ کر سوچتا ہے کہ آیا بھبکی دوں یا سسکی بھروں۔ اگر دیکھے کہ وہ ہماری طرف مہربانی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تو سسکیاں مار کر رونے لگ جاتا ہے اور اگر سمجھتا ہے کہ مدد کریں گے تو پھر ان کو بھبکیاں دیتا ہے۔ ہر ایک کے اندر جذبات ہوتے ہیں لیکن یہ حالت دیکھ کر بھی کسی مسلمان کی غیرت جوش میں نہیں آتی۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر میں احمدی نہ ہوتا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں پرورش نہ پاتا تو میرے کیا اخلاق ہوتے لیکن اگر میرے یہی جذبات ہوتے جو اِس وقت ہیں اور احمدیت والا ایمان میرے اندر نہ ہوتا تو اگر کوئی سَو فیصدی سے بھی زیادہ یقین دلانے کا کوئی ذریعہ ہو سکتا ہے تو مَیں یقین رکھتا

ہوں کہ یا میں پاگل ہو جاتا اور یا پھر اپنے ہاتھ سے اپنے بیوی بچوں کو مار کر اپنے آپ کو مار ڈالتا کیونکہ میرے نزدیک اس قسم کی زندگی کو ایک لحہ کیلئے بھی برداشت کرنا کسی خبیث اور بے ایمان آدمی کے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات ہے جس نے ہمارے دل میں ایک نئی اُمنگ پیدا کر دی ہے۔ آج وہ کرن دُور ہے اور شعائیں فاصلہ پر نظر آتی ہیں مگر بہرحال کھڑکی کھلی نظر آتی ہے اور پتہ لگتا ہے کہ ہم کسی نہ کسی دن اُس مقام پر پہنچیں گے۔ جس طرح اسلام کے دشمنوں نے اسلام کو گھٹنوں کے بل گرانے کی کوشش کی اور ناک رگڑوانا چاہا ہم اِنْشَاءَ اللّٰہَ اِن کو گھٹنوں کے بل گرائیں گے اور ناک رگڑوائیں گے۔ مگر ناک رگڑوانے سے مراد یہ نہیں کہ ہم ظاہری رنگ میں ایسا کریں گے بلکہ معنوی رنگ میں ہم ان سے ایسا سلوک کریں گے جو گھٹنے ٹیکنے اور ناک رگڑنے کا مترادف ہوگا۔ دیکھو! جب مکہ فتح ہوا تو اُس وقت ظاہری طور پر کسی نے ناک نہیں رگڑوائے بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو یہی کہا کہ تم ہمارے بھائی ہو ہم تمہیں معاف کرتے ہیں[۶] مگر معنوی طور پر ان کے ناک رگڑے گئے۔ جس شخص کے قتل کے کوئی درپے ہو اور اس کے ساتھ اتنی دشمنی کی گئی ہو کہ اس حالت میں کہ اُس کی لڑکی حاملہ ہونے کی صورت میں اکیلی سفر کر رہی ہو، اُس کے اونٹ کے شغدف کا بند کاٹ کر اُسے گرا دیا ہو اور اِس طرح اُس کا حمل ضائع کروا دیا ہو جب وہ اُس کے سامنے آئیں اور اُن سے پوچھا جائے کہ بتاؤ تم سے کیا سلوک کیا جائے؟ اور وہ کہیں ہم تم سے یوسفؑ والے سلوک کی امید رکھتے ہیں اور وہ کہہ دے تم سے یوسفؑ والا سلوک ہی کیا جائے گا اور تمہیں معاف کیا جائے گا۔ تو بتاؤ اِن مخالفین کی کیا حالت ہوگی۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ایسے واقعہ سے دل پر ایسی چوٹ لگتی ہے کہ اِس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ بظاہر ان کی بے عزتی نہیں کی گئی اور بظاہر ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی گئی، بظاہر ان سے ناک نہیں رگڑوائے گئے مگر معنوی طور پر ان کے ناک رگڑے گئے اور ان کے سر جھکائے گئے اور وہ زندہ ہوتے ہوئے بھی مُردہ ہو گئے۔

میں نے کئی دفعہ ایک واقعہ سنایا ہے۔ بچپن کی بات ہے کہ ایک دفعہ میں نے چند دوستوں کے ساتھ مل کر ایک کشتی خریدی۔ اُس وقت وہ کشتی ہمیں ۲۷ روپے میں مل گئی جو کہ اُس وقت

کے لحاظ سے کافی سُستی تھی اب تو کشتی دوسَو روپے میں ملتی ہے۔ ہم قادیان کی ڈھاب میں اُس کشتی پر سیر کیا کرتے تھے۔ جیسے بچوں کا قاعدہ ہے دس پندرہ دن تک تو ہم باقاعدہ سیر کرتے رہے، پھر ہفتہ میں تین دن سیر کرتے، پھر ہفتہ میں دو دن اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہم پندرہویں دن سیر کیلئے جاتے۔ جب ہم وہاں نہ ہوتے تو باہر کے لڑکے آکر اُس کشتی کو چلاتے۔ جب ہم کشتی کو آکر دیکھتے تو پہلے سے کچھ نہ کچھ خستہ حالت میں ہوتی۔ میں اِس حالت سے بہت تنگ آیا اور میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ کسی طرح تم انہیں پکڑوادو۔ ایک دن عصر کے وقت ایک لڑکا دَوڑا ہوا آیا اور کہا کہ میں ان لڑکوں کو پکڑوادوں۔ اُس کشتی میں زیادہ سے زیادہ دس بارہ آدمی بیٹھ سکتے تھے لیکن جب میں وہاں گیا تو میں نے دیکھا کہ اٹھارہ اُنیس لڑکے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اتنے آدمی کشتی میں بیٹھے ہوئے دیکھ کر غصہ سے کہا جلدی اِدھر کشتی لاؤ۔ وہ گاؤں کے لڑکے تھے اور گاؤں والوں میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ بڑے زمینداروں کا مقابلہ کرسکیں۔ اِس ڈر سے کہ کہیں پٹ نہ جائیں اُن میں سے کچھ نے چھلانگیں لگا دیں اور تیر کر دوسرے کنارے نکل گئے اور کچھ اتنے مغلوب ہوئے کہ وہیں بیٹھے رہے اور کشتی کو کنارے کی طرف لے آئے۔ میں غصہ سے سوٹی پکڑے ہوئے کھڑا تھا اور اِس خیال میں تھا کہ جب یہ باہر آئیں گے تو میں اُنہیں خوب ماروں گا۔ وہ جب قریب آئے اور میری یہ حالت دیکھی تو اُن میں سے سوائے ایک کے باقی سب نے پانی میں چھلانگیں لگا دیں اور مختلف جہات کو دَوڑ گئے۔ صرف ایک لڑکا کشتی میں رہ گیا جسے میں نے پکڑ لیا۔ میں سمجھتا تھا کہ اصل شرارتی یہی ہے اُس نے مدرسہ احمدیہ کے باورچی خانے کے پاس جہاں خانصاحب فرزند علی صاحب کا مکان ہے اور آجکل وہاں دفتر بیت المال ہے کشتی لاکر کھڑی کی۔ جب وہ کشتی سے اُترا تو میں نے کہا اِدھر آؤ۔ قریب آنے پر میرے دل میں معلوم نہیں کیا خیال آیا کہ میں نے سوٹی رکھ دی اور اُسے مارنے کے لئے ہاتھ اُٹھایا۔ جس وقت میں نے ہاتھ اُٹھایا تو اُس نے بھی ہاتھ اُٹھایا۔ میں نے اُس کو مارنے کے لئے ہاتھ اُٹھایا تھا لیکن اُس نے اپنے آپ کو بچانے کے لئے ہاتھ اُٹھایا تھا۔ اُس کی اِس حرکت کی تاب نہ لاتے ہوئے اور زیادہ غصہ میں آکر میں نے اپنا ہاتھ اور پیچھے کی طرف کھینچا تا کہ اُسے زور سے چانٹا رسید کروں لیکن جونہی میں نے ہاتھ پیچھے کیا اُس نے ہاتھ

نیچے گرا دیا۔ اس وقت میری عمر ۱۷ سال کے قریب تھی آج میں ۵۷ سال کا ہو گیا ہوں گویا اِس واقعہ کو چالیس سال گزر چکے ہیں لیکن جب بھی یہ واقعہ مجھے یاد آتا ہے تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور پسینہ چھوٹ جاتا ہے۔ جب اُس نے ہاتھ گرایا تو میں اُس وقت اتنا شرمندہ ہوا کہ میں سمجھتا تھا کہ کسی طرح زمین پھٹ جائے تو میں اِس میں سما جاؤں۔ یہ میرے سامنے کھڑا ہے اور اُس نے ہاتھ پیچھے گرا لیا ہے گویا دوسرے الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ مجھے مار لو۔ اُس کی یہ نرمی میرے لئے اتنی تکلیف دہ تھی کہ میں اُس وقت اپنے آپ کو دنیا کا ذلیل ترین انسان خیال کرتا تھا۔ میں کہتا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور مجھے یہ ذلّت کی حالت نہ دیکھنی پڑے۔ اب دیکھو یہ کتنی چھوٹی سی چیز تھی۔ کشتی صرف ۲۷ روپے کی تھی اور وہ بھی چند آدمیوں کے چندہ سے خریدی ہوئی اور وہ بھی پُرانی۔ پھر وہ سیکنڈ ہینڈ کشتی تھرڈ ہینڈ بنی پھر فورتھ ہینڈ بنی اور پھر ففتھ ہینڈ بنی لیکن اس پر بھی میں جوش میں آ کر اُسے مارنے لگا مگر اُس نے اپنا ہاتھ نیچے کر لیا۔ اس کا نیچے ہاتھ گرانا کسی جذبۂ شرافت کے ماتحت نہیں تھا صرف اِس لئے تھا کہ وہ جانتا تھا کہ بڑے آدمی کے بیٹے ہیں اگر مارا تو اِن کے ساتھی مجھے ماریں گے۔ پھر یہ بھی نہیں تھا کہ مظلوم ہونے کے باوجود اُس نے مجھ پر رحم کیا ہو بلکہ ظالم وہ تھا اور کمزور وہ تھا مگر باوجود اِس کے کہ وہ ظالم تھا اور کمزور تھا اُس کا یہ فعل میرے لئے اتنا تکلیف دہ ہوا کہ آج تک اس واقعہ کو یاد کر کے میں شرمندہ ہو جاتا ہوں۔ پس کیا حال ہوا ہوگا اُن بڑے بڑے آدمیوں کا جو میدانوں میں نکل نکل کر کہتے تھے ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کی اولاد کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے، جو کہا کرتے تھے کہ یہ نوجوان تیرے چند روزہ ساتھی ہیں یہ تیرا ساتھ چھوڑ دیں گے، جنہیں وہ بھاگ جانے والے کہتے تھے اور جن کے سامنے وہ میدان میں گھوڑے دَوڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ آ ؤ مقابل پر، اور جنہیں وہ کمینہ آدمی سمجھتے تھے جب وہ اُن کے سامنے تلوار نہ اُٹھا سکے اور مغلوب ہوئے تو اُن کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ وہ اُس وقت کتنے ذلیل اور شرمندہ ہوئے ہوں گے اور کس طرح اُن کے ناک رگڑے گئے ہوں گے۔ جب اُن سے ہار کر اُنہوں نے خود اِستدعا کی کہ ہم سے یوسفؑ کے بھائیوں کا سا سلوک کیا جائے۔ اور پھر اس وقت کیا حالت ہوئی ہوگی جب واقعہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب میں یہ فرمایا کہ ہاں ہاں تم سے یوسفؑ کے

بھائیوں کا سا سلوک کیا جائے گا۔ جاؤ اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھو ہم تم سے کچھ نہ کہیں گے۔[۶] یہی حالت اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ایک دن اسلام کے دشمنوں پر آنے والی ہے۔

(الفضل ۱۷، ۱۸/اپریل ۱۹۴۶ء)

---

۱ الذّٰریٰت: ۵۴

۲ **جَجمان:** برہمنوں یا نائیوں کی آسامی جس کا وہ پشتوں سے کام کرتے آرہے ہوں۔ مخدوم، آقا، مربی

۳ **کنز العمال** جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۵ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۸ء

۴ **سیرت ابن ھشام** جلد ۱ صفحہ ۴۴ حاشیہ مطبوعہ پاکستان ۱۹۷۷ء

۵ **الحجر:** ۱۰

۶ **السیرۃ الحلبیۃ** جلد ۳ صفحہ ۸۹ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء